



ایں ہمہ آوردہ تست

مفتی منیب الرحمن

وزیراعظم جناب عمران خان نے ممتاز صحافیوں، جن میں اکثر ان کے ہی خواہ رہے ہیں، سے بات کرتے ہوئے کہا: ”مجھے سودن کا موقع دو، اُس کے بعد تنقید کر لینا“۔ انہیں سودن کا موقع دینے پر شاید کسی کو اختلاف نہیں ہوگا، بلکہ اگر وہ دو سودن کی مہلت مانگیں تو بھی حرج نہیں ہے، کیونکہ ہر نئے حکمران کو اقتدار سنبھالنے کے بعد معاملات کو سمجھنے کے لیے کچھ وقت درکار ہوتا ہے اور ان کے اقدامات کے نتائج سامنے آنے میں مزید وقت لگتا ہے۔ لہذا ان کی خواہش بجا ہے اور اس پر اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن جو تنقید سامنے آئی ہے، اُس کا سبب ان سے بغض و عداوت نہیں ہے، بلکہ یہ ان کے اپنے اور ان کے رفقاء کا عطا کردہ تحفہ ہے، غالب نے کہا تھا: ”مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے“، مفت ہاتھ آئے مال کو ہر کوئی غنیمت سمجھنے میں حق بجانب ہے اور اہل صحافت نے بھی اپنا روزمرہ کا کاروبار چلانا ہوتا ہے، گھوڑا چارے سے پیار کرے گا تو بھوکا مرے گا۔

سب سے پہلے آپ نے خود اپنے ابتدائی خطاب میں خلافتِ راشدہ کی مثالیں پیش کیں، ان مثالوں پر پورا اترنا پبل صراط پر چلنے کے مترادف ہے۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عدل کی مثال پیش کی، جبکہ آپ خود اپنے خلاف دائر بہت سے مقدمات میں کئی سالوں سے جیش نہیں ہو رہے۔ ان مقدس ہستیوں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ قاضی وقت نے حضرت علی کو عدالت میں کنیت کے ساتھ ابوالحسن کہہ کر اور ان کے مخالف فریق کو نام سے مخاطب کیا، تو آپ نے فرمایا کہ یہ آپ نے امتیاز برتا ہے، کیونکہ اہل عرب میں کنیت کے ساتھ خطاب اکرام کے طور پر کیا جاتا تھا، جبکہ عدالت میں کسی ایک فریق کے ساتھ امتیازی برتاؤ عدل کے تقاضوں کے منافی ہے۔ اس لیے میں نے لکھا تھا: ”یہ آپ کا حوصلہ ہے کہ آپ اپنے لیے خلافتِ راشدہ کو آئیڈیل کے طور پر پیش کر رہے ہیں، ہم آپ کا مقابل آپ کے پیش روؤں سے کریں گے اور زیادہ سے زیادہ ستر سال پیچھے جاکیں گے“۔

اسی طرح وزیراعظم ہاؤس میں ٹیلی کا پٹر کی سہولت پر کسی اور نے نہیں آپ نے خود تنقید کی، پھر آپ کو خود اُسے استعمال کرنا پڑا۔ اس کے استعمال پر کوئی اعتراض نہ کرتا، اگر آپ خود اُسے تنقید کی زد میں نہ لاتے۔ ہمارے نزدیک سرکیں ہلاک کر کے لوگوں کو کرب میں مبتلا کرنے سے ٹیلی کا پٹر کا استعمال زیادہ بہتر ہے۔ میں نے گورنر ہاؤس کراچی کی ایک تقریب میں اُس وقت کے گورنر عشرت العباد کی موجودگی

میں وزیر اعظم شوکت عزیز سے کہا تھا: ”آپ حضرات لوگوں پر رحم کریں، گھنٹوں لوگوں کو سڑکوں پر انتظار کی زحمت سے بچائیں، پرانے ایئر پورٹ کے دی آئی پی لاؤنج کو اسٹیٹ گیسٹ ہاؤس بنالیں اور جن لوگوں سے جناب وزیر اعظم کو ملاقات کرنی ہے، انہیں وہیں بلا لیا کریں۔ اس طرح لوگ اذیت سے بچ جائیں گے اور آپ کو دعائیں دیں گے، ورنہ آپ سڑک کا روٹ استعمال کرنے کے بجائے ایئر پورٹ سے ہیلی کاپٹر کے ذریعے تشریف لے آئیں تو بھی بہتر رہے گا“، آج یہ گزارش آپ کی خدمت میں بھی پیش کر رہا ہوں۔

مزید یہ کہ میڈیا کو مواقع فراہم کرنے کے لیے آپ کے وزرائے کرام شیخ رشید، فواد چوہدری اور فیاض چوہان صاحبان کافی ہیں، ان کا وجود میڈیا کے لیے کافی ہے۔ ان صاحبان پر خاموش رہنے، کم بولنے، سوچ سمجھ کر بولنے کی پابندی لگانا کالے پانی کی سزا سے کم نہیں ہے۔ نواز شریف صاحب کے لبرل وزیر اطلاعات پرویز رشید، جو ہم مذہبی لوگوں سے نفرت کرتے ہیں، بہر حال سوچ سمجھ کر بات کرتے تھے، یہی چینلز پارٹی کے دور میں قمر الزماں کا رزہ صاحب کی خصوصیت تھی۔ حکومت کے ترجمان کو ٹھنڈے مزاج کا حامل ہونا چاہیے، پہلے تو لو اور پھر بولو اس کا شعار ہونا چاہیے، اپنے مقصد کے اظہار کے لیے الفاظ کا کم سے کم استعمال کرے۔ میرے بڑے بھائی انجینئر جمیل الرحمن قاضی سرکاری ملازمت میں تھے، وہ بتاتے تھے کہ جاپان، انیشین ڈویلپمنٹ بینک اور ورلڈ بینک کے نمائندوں سے ہمارا واسطہ پڑتا تو وہ نو دی پوائنٹ بات کرتے، کم سے کم بولتے اور دفتری مراسلت میں بھی اختصار سے کام لیتے، کیونکہ الفاظ جتنے کم ہوں گے، گرفت بھی اتنی کم ہوگی، جبکہ ہمارے ہاں بے مقصد لمبے لمبے ڈرافٹ بنانے اور موضوع سے ہٹ کر گفتگو کرنے کا شعار بہت زیادہ ہے، اسی لیے بآسانی گرفت میں آجاتے ہیں۔ جناب شیخ رشید کو اپنے گزشتہ دور میں بھی نئی ٹرینیں چلانے کا بہت شوق تھا، اخبار میں اشتہار آتے، کراچی سے ٹرین چلتی تو اس کا ایک نام ہوتا، راولپنڈی سے دہلی پر اس کا نام بدل جاتا، جبکہ ریلوے کی حالت روز بروز خراب ہو رہی تھی۔ ریلوے میں کرپشن ہوئی یا نہیں، یہ طے کرنا متعلقہ اداروں کا کام ہے، لیکن مخالفین بھی مانتے ہیں کہ سعد رفیق نے ڈوبتی ہوئی ریلوے کو بحال کیا، اس کا معیار بہتر بنایا، اب لوگ ٹرین پر سفر کرتے ہیں، کئی دوستوں نے بتایا کہ ریلوے کا معیار اور باقاعدگی پہلے سے بہت بہتر ہے۔ ایک ڈوبے ہوئے ادارے کو مکمل طور پر مالی خسارے سے نکالنا آسان کام نہیں ہے۔ اسی طرح آتے ہی میانوالی ٹرین کا اعلان اور افتتاح اچھا تاثر نہیں دے گا، کیونکہ میانوالی آپ کا آبائی شہر ہے، اس کے لیے تھوڑا سا انتظار بہتر رہے گا۔

میرا مشورہ ہے کہ جن وزراء کو روز میڈیا پر آنے اور زیادہ بولنے کا شوق ہے، انہیں پارٹی عہدے دیں اور پارٹی کے ترجمان بنائیں، وزراء کو کم سے کم اور سوچ سمجھ کر بولنے کا پابند بنائیں تو آپ کی حکومت کے حق میں بہتر رہے گا۔ کیا ہیلی کاپٹر کا بچپن روپے فی کلومیٹر کرایہ کسی صحافی یا آپ کے کسی سیاسی مخالف نے کھوج لگا کر پاتال سے نکالا ہے، یہ تو آپ کے وزیر بے تدبیر کا شاہکار، اہل صحافت اور سیاسی مخالفین کے لیے تحفہ ہے۔

اسی طرح آپ ایک بنگلے میں رہیں یا دوسرے میں، آپ وزیر اعظم ہاؤس ہی میں رہ رہے ہیں، ان امور کو موضوع بحث نہ بنائیں، جس دن آپ کوئی متبادل عملی حل نکال لیں تو اقدام پہلے کریں اور قوم کو بعد میں بتائیں، سرکاری گاڑیوں کو نیلام کرنے سے پہلے اپنی حکومت کی مستقبل کی ضروریات کا اندازہ لگالیں تو بہتر رہے گا۔ ایک ہزار سی سی کی گاڑیاں استعمال کرنے کے دعوے، پھر سرکاری گاڑیوں کو کوڑیوں کے بھاؤ بیچ کرنی پر تیش گاڑیاں خریدنے کے ڈرامے سے قوم پہلے ہی واقف ہے، یہ کوئی نیا تجربہ نہیں ہے۔ جناب قمر زماں کا رزہ جناب



شہباز شریف کو طنزاً ”شوباز شریف“ کہتے رہے ہیں، شوبازی سے اجتناب بہتر ہے۔

ملک و ملت کا مسئلہ سابق وزیراعظم اور اُن کے کھانے کے بلوں کا نہیں ہے۔ بنیادی مسئلہ اقتصادی ہے، ملک اقتصادی اعتبار سے مشکل صورت حال سے دوچار ہے، اسی سبب امریکہ اپنا فلیگجسٹس رہا ہے کہ اُس کی نظر میں پاکستان کو زیادہ سے زیادہ دباؤ میں لا کر اپنے مطالبات اور شرائط منوائی جائیں۔ ہماری زرمبادلہ کی ضرورت چین بھی پوری نہیں کر سکتا، کیونکہ چین آئی ایم ایف اور امریکہ کی طرح نقد مال نہیں دیتا، وہ صرف منصوبوں پر مبنی قرض دیتا ہے، یہی پیک منصوبوں سے عیاں ہے۔ دوسرا اہم مسئلہ کرپشن کا ہے اور کرپشن کے خلاف کسی بھی اقدام یا کریک ڈاؤن کو پنڈیرائی تب ملے گی، جب یہ شفاف ہو، اس کا اطلاق سب پر یکساں ہو، جانب داری اور انتقام کا شائبہ نظر نہ آئے، ورنہ حکمت و تدبیر سے عاری اقدامات بیک فائر بھی ہو سکتے ہیں۔

تیسرا اہم مسئلہ میرٹ پر تقرریوں کا ہے، حکومت کو پارلیمنٹ میں سادہ اکثریت بھی حاصل نہیں ہے، اُسے دوسرے اتحادیوں کو ملانا پڑ رہا ہے، ایسی صورت میں معیار پر مفاہمت مجبوری بن جاتی ہے، چنانچہ رؤف کلاسر صاحب نے لکھا: ”سابق اسپیکر اور موجودہ وزیر بین الصوبائی رابطہ محترمہ فہیدہ مرزا اسپیکر شپ کے زمانے میں چوراسی کروڑ روپے کے قرضے معاف کرانے کے علاوہ امریکہ میں علاج کے تیس لاکھ روپے بھی سرکاری خزانے سے وصول کر چکی ہیں اور اب آپ کی حکومت میں وزارت کا حلف اٹھا کر پورے ہو چکی ہیں۔“ آپ نے صحافیوں سے کہا: ”میں کسی کے ماضی کی گارنٹی نہیں دیتا، میرے دور حکومت میں اگر کچھ غلط ہو تو آپ تنقید یا نشاندہی کر سکتے ہیں، لیکن آپ خود تو اپنے سیاسی مخالفین کے ماضی کا حساب لے رہے ہیں، سو اس تضاد پر بھی سوالات اٹھیں گے۔ ہم اسلامی نظریاتی کونسل میں تھے، کونسل نے بینکوں سے قرض معاف کرانے والوں کی فہرست منگوائی، تو پتا چلا کہ گجرات کے چوہدری برادران کے خاندان کے تقریباً سبھی مرد و زن اس نعمت سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔ پس جب آدمی ایوان اقتدار کے بیت الجن میں داخل ہوتا ہے تو ان چشم کشا حقائق کا اُسے لازماً سامنا کرنا پڑتا ہے، لہذا آپ کے لیے بہتر ہے کہ سطحی امور کو نمایاں کرنے کے بجائے یکسو ہو کر اصل مسائل پر اپنی توجہات کو مرکوز کریں۔

آپ خوش نصیب ہیں کہ میڈیا کے غالب حصے کی ہمدردیاں آپ کو حاصل ہیں، وہ آپ کی غلطیوں کی نشاندہی کے باوجود تاحال نہ آپ کی حمایت سے دست کش ہوئے ہیں، نہ غلطیوں کی بنا پر آپ کو گردن زدنی قرار دے رہے ہیں اور نہ انہوں نے تحویل قبلہ کر کے اپنی حمایت کسی اور کے لیے وقف کی ہے۔ اُن کی یہ خواہش بجا ہے کہ آپ نے جو خواب عوام کو دکھائے ہیں اور عوام نے جو توقعات آپ سے وابستہ کی ہیں، آپ اُن پر پورا اتریں، کیونکہ اگر خدا نخواستہ آپ کا تجربہ بھی ناکام رہا، تو قوم مایوسی کے اندھیروں میں گم ہو جائے گی اور پھر کسی نجات دہندہ سے توقعات وابستہ کرنے میں سوبار ہچکچائے گی۔ پس نظام کے بگاڑ کی اصلاح کی فوری توقع وابستہ کرنا خام خیالی ہوگی، اگر ایک سال کے اندر درست درست ہو جائے، نظام کی گاڑی صحیح ٹریک پر رواں دواں ہو جائے، تمام معاملات صاف و شفاف نظر آئیں، انتقام کی بوند آئے اور اقتصادی مشکلات کے حل کی کوئی قابل عمل تدبیر نکل آئے تو بسا غنیمت ہوگا۔ البتہ میڈیا شہد کی بوتلوں، ہیلی کاپٹر کے پچپن روپے فی میل کرائے ایسے معاملات سے کھیلتا رہے گا، آخر وہ اپنی دکانیں بند تو نہیں کر سکتے، پس گلشن کا کاروبار اسی طرح چلتا رہے گا اور آپ بھی اس کے عادی ہو جائیں گے۔